(بقیہ اشارات) شہری آزادیوں پر دوسری ضرب کاری، ہنگامی حالات کو دوام عطا کرکے لگائی گئی ہے۔ دستور کی رو سے حکومت اس بات کی پابند تھی کہ اگر وہ ہنگامی حالات میں توسیع کرانا چاہتی ہے تو اس مسئلہ کو ہر ششماہی کے بعد اسمبلی میں پیش کرکے توسیع حاصل کرے لیکن اب حکومت نے ایک ترمیم کے ذریعہ اس تکلف سے بھی اپنے آپ کو بے نیاز کرلیا ہے۔ وہ اپنے مصالح کے تحت جب تک چاہے ملک میں ہنگامی حالات برقرار رکھ کر لوگوں کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم رکھ سکتی ہے۔ اصحابِ اقتدار نے لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے ملک کے نمائندوں کو یہ اختیار دیا ہے کہ اگر دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس میں ارکان کی اکثریت ہنگامی حالات کی قرارداد منظور کرلے تو پھر ان کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔ کیا موجودہ حالات میں کبھی اس بات کا تصور کیا جاسکتا ہے کہ سینٹ اور قومی اسمبلی کے مشترکہ اجلاس میں کوئی ایسی قرارداد منظور کی جاسکے گی جو بھٹو صاحب کے منشا کے خلاف ہو۔

ملک کو آمریت کی راہ پر ڈالنے والے ان متعدد دستوری تغیرات میں، جنہیں بڑی ہنرمندی کے ساتھ ترمیمات کا نام دیا گیا ہے، پولیٹیکل پارٹی ایکٹ بھی شامل ہے۔ یہ وہ ایکٹ ہے جو محمد ایوب خاں جیسے آمرِ مطلق کے عہد میں نافذ ہوا اور جسے ۱۹۷۳ء کے دستور میں تحفظ دیا گیا۔ اس ایکٹ کی رُو سے اگر حکومت کسی سیاسی جماعت کو ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث پائے تو اس کے لیے لازم ہے کہ اس کا معاملہ عدالتِ عظمیٰ میں پیش کرے اور اس کے فیصلے کی روشنی ہی میں کوئی قدم اُٹھائے۔ پھر ارکانِ اسمبلی کو بھی یہ تحفظ دیا گیا تھا کہ انہیں اسمبلی کے اجلاس کے دوران یا چند روز پہلے یا چند روز بعد گرفتار نہیں کیا جاسکتا لیکن جمہوریت کے ان علمبرداروں نے فیلڈ مارشل صاحب کی آمریت کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ اب ایک ترمیم کے ذریعے حکومت کو یہ اختیار حاصل ہوگیا ہے کہ وہ جس سیاسی پارٹی کو چاہے سپریم کورٹ سے پیشگی اجازت لیے بغیر کالعدم قرار دے دے اور اس کارروائی کے پندرہ روز بعد عدالت عظمیٰ کی طرف رجوع کرے۔ کسی سیاسی جماعت پر اس سے بڑا ستم اور کیا ہوسکتا ہے کہ پہلے حکومت پوری قوت سے اس کا شیرازہ منتشر کردے، اس کے ارکان کو اپنے ظلم وستم کا تختۂ مشق بنائے، اس کے فنڈز اور اس کی جائیداد ضبط کرلے اور پندرہ دنوں میں انتقام کی آگ بجھا کر پھر عدالتِ عظمیٰ سے اپنی ان منتقمانہ کارروائیوں کی توثیق حاصل کرے۔ انصاف کا یہ کونسا انداز ہے کہ اس "معتوب" جماعت کے سربراہ تو جیلوں میں بند ہوں، فضا میں خوف و ہراس کی کیفیت

طاری ہو، حکومت کے ذرائع ابلاغ اس سیاسی جماعت کے قائدین کی کردارکشی میں بڑی بیباکی کے ساتھ مصروف ہوں اور پھر اس امر کی توقع کی جائے کہ اس جماعت کے ساتھ زیادتی نہ ہوگی۔ اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ سپریم کورٹ جیسی عظیم عدالت حکومت کی ان ساری کارروائیوں سے متاثر ہوئے بغیر صحیح فیصلہ کرے گی تو اس نقصان کی تلافی کی آخر کیا صورت ہوگی جو اس جماعت کو حکومت کے سپریم کورٹ تک پہنچنے اور حقائق کی چھان پھٹک کے بعد اُس کے فیصلہ صادر کرنے تک پہنچ چکا ہوگا۔

ماہرینِ نفسیات نے انسانی ذہن کا عمیق مطالعہ اور مشاہدہ کر کے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ کسی انسان کی قلبی کیفیت اور اس کے اصل عزائم کو جاننے کے لیے اس کے نمایاں کارناموں کا جائزہ لینے کے بجائے اس کے غیر ارادی افعال اور روزمرّہ سرگرمیوں پر نگاہ رکھنی چاہیے کیونکہ وہ عظیم کارناموں کے پردے میں اپنی اصلی نیّت کو بآسانی چھپا سکتا ہے لیکن غیر اہم کاموں میں حقیقت خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے۔ جس طرح تناور درخت ہوا کے رُخ کا پتہ نہیں دیتے بلکہ تنکوں سے اس کا اندازہ کیا جاتا ہے اسی طرح حکومت کے وسیع تعمیراتی منصوبوں اور بلند بانگ دعووں سے اس امر کا پتہ نہیں لگایا جا سکتا کہ اس کے ذہن میں ملک کی معاشرتی اور سیاسی زندگی کا کیا نقشہ ہے۔ اس کے جانچنے کے لیے تو ہمیں لامحالہ اس کی ان سرگرمیوں کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے جنہیں وہ بظاہر ملکی استحکام کی کوششوں سے تعبیر کرتی ہے مگر اِن کا اصل مقصد اپنے اقتدار کو دوام بخشنا ہوتا ہے۔ اس حقیقت کو اگر آپ سمجھنا چاہیں تو دستور میں عاجلانہ ترمیمات کے علاوہ صوبہ سرحد میں گورنر راج کے نفاذ پر غور کریں۔ اس صوبے میں کسی مخالف سیاسی جماعت کی حکومت قائم نہ تھی بلکہ برسرِ اقتدار پارٹی ہی مسندِ اقتدار پر فائز تھی۔ پھر صوبائی کابینہ میں کوئی ایک وزیر بھی ایسا نہ تھا جس سے اس بات کا خطرہ ہوتا کہ وہ کبھی وزیر اعظم کے کسی حکم کی تعمیل میں کوئی ادنیٰ تامل بھی کر سکے گا۔ سب وزرا ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر جناب ذوالفقار علی بھٹو کے نیاز مند اور اپنی اس نیاز مندی پر فخر کرنے والے تھے۔ آخر کیا وجہ ہوئی کہ ان سب کو بیک بینی و دوگوش نکال باہر کیا گیا اور جمہوریت کے شیدائی نے اس کی بساط خود اپنے ہاتھوں سے لپیٹ کر وہاں گورنر راج کا تخت بچھا دیا اور اس کے یمین و یسار وہ مشیر جمع کیے، جن کا پیپلز پارٹی سے کوئی تعلق نہیں بلکہ ان پر نگاہِ انتخاب کچھ دوسرے مصالح کے تحت پڑی ہے۔ کیا اس کا مطلب یہ نہیں

کہ بھٹو صاحب کو خود اپنی پارٹی پر بھی اعتماد باقی نہیں رہا۔ یا وہ ہر فیصلہ کن مرحلے پر اپنی پارٹی سے یہ اندازِ بے نیازی اختیار کر کے اُسے باور کرانا چاہتے ہیں کہ وہ ان کی باندی ہے جس سے وہ جب چاہیں حسبِ منشا کام لے لیں اور جب چاہیں یکسر نظر انداز کر دیں۔ وہ ان سے کوئی تقاضا نہیں کر سکتی۔ عوام کے نمائندوں کی موجودگی میں غیر نمائندہ مشیروں کا تقرر اگر پیپلز پارٹی کی بے حرمتی کے علاوہ ملک میں بڑھتے ہوئے آمرانہ رجحانات کا پتہ نہیں دیتا تو کس چیز کی نشاندہی کرتا ہے۔ اگرچہ یہ سب کچھ ملکی استحکام کے نام پر کیا گیا ہے اور حکومت کے حاشیہ بردار اور طالع آزما اس اقدام کی تائید میں بیانات پر بیانات دیتے چلے جا رہے ہیں لیکن جو لوگ اس ملک کے مستقبل کے بارے میں فکر مند ہیں انہیں ان تنکوں کی جنبش ہی سے ہوا کے رُخ کا اندازہ لگانے کی کوشش کرنی چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ کہیں دوسرے صوبوں میں بھی ڈرامہ کھیلنے کی تیاریاں تو نہیں کی جا رہیں۔

ہم بھٹو صاحب کے بارے میں کوئی سوئے ظن نہیں رکھتے۔ ہمیں معلوم ہے کہ انہیں ملکی استحکام بڑا عزیز ہے اور اسی استحکام کی خاطر انہوں نے بلوچستان کی نمائندہ حکومت ختم کر کے وہاں اقلیتی پارٹی کو صوبے کا نظم و نسق سونپ دیا ہے۔ اور اب اس امر کے لیے کوشش کی جا رہی ہے کہ اقلیت اکثریت میں تبدیل ہو جائے تاکہ ان کی اس دلیرانہ کارروائی پر انگشت نمائی نہ کی جا سکے۔ غالباً وطن کی محبت ہی کی وجہ سے انہوں نے سرحد میں نیپ اور جمعیت علمائے اسلام کی مخلوط وزارت کو برطرف کر کے وہاں پیپلز پارٹی کی حکومت قائم کی تھی جسے توڑ کر اب وہاں گورنر راج قائم کر دیا گیا ہے۔

وزیر اعظم ملک کے اندر اور باہر جو کچھ بھی کر رہے ہیں قوم کی فلاح و بہبود کے لیے ہی کر رہے ہیں اور شاید پاکستانی قوم کی بہبود کی خاطر ہی گذشتہ سال انہوں نے کڑوا گھونٹ پیتے ہوئے بنگلہ دیش کو تسلیم کیا اور اس طرح قومی تقاضوں کے پیش نظر بھارتی جارحیت کے اس گھناؤنے جُرم کو فراموش کر کے اس سے تعلقات بحال کرنے میں پیش قدمی کی۔ ہم جانتے ہیں کہ وہ اس ضمن میں جو کچھ بھی کر رہے ہیں وہ قوم اور ملک کی سربلندی کے لیے ہی کر رہے ہیں لیکن ہم اس مرحلے پر ان کی خدمت میں یہ گذارش ضرور کرنا چاہتے ہیں کہ نیت خواہ کتنی ہی نیک ہو لیکن اس دنیا میں اگر معروف قواعد و ضوابط سے ہٹ کر کوئی کام کیا جائے تو اس سے انسان کا وقار گرتا ہے، مثلاً اگر نیکی کا کوئی علمبردار خلوص نیت کے ساتھ ایک پارسا کو اس بنا پر قتل کر دے کہ وہ پارسائی کے ساتھ شہادت کا بلند مرتبہ بھی حاصل کر لے تو اس کے اس فعل پر

خواہ اس کے پیچھے کتنا ہی مقدس جذبہ کارفرما ہو، لوگ نفرین ہی بھیجیں گے۔ بالکل اسی طرح اگر کوئی سربراہ مملکت انتہائی نیک نیتی کے ساتھ ملکی استحکام اور قومی سربلندی کی خاطر عوام کو ان کے جائز حقوق سے محروم کرتا ہے تو وہ خلوص نیت کے باوجود اپنے خلاف نفرت کے جذبات کی آبیاری کرتا ہے۔ دنیا میں وہی اخلاص قابل قدر ہے جس سے دوسرے انسانوں پر بلاوجہ کوئی آنچ نہ آئے۔

بھارت قوت وطاقت کے نشہ میں بدمست ہو کر اپنے کمزور ہمسایوں خصوصاً پاکستان پر جو ظلم وزیادتی کر رہا ہے وہ انسانی تاریخ کا ایک نہایت ہی سیاہ باب ہے۔ اگر بھارت کے رہنماؤں کے دل میں انسانیت کا کچھ بھی احترام اور انسانی حقوق کا کوئی پاس ہوتا تو وہ پاکستان کو تباہ کرنے کے بجائے اس کے ساتھ خوشگوار تعلقات قائم کرنے کی کوشش کرتے مگر افسوس وہ اوّل روز ہی سے اسے نیست و نابود کرنے کے درپے ہیں۔ صلح و آشتی کے ان دعویداروں نے پہلے جوناگڑھ پر قبضہ کیا، پھر حیدر آباد کی آزادی سلب کی اور کشمیر پر ہر اصول اور ضابطے کو پامال کرتے ہوئے قابض ہو گئے۔ ایک قوم کی اس سے بڑی اخلاقی گراوٹ اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ حیدر آباد پر تو یہ کہہ کر قبضہ کرے کہ کسی ریاست کا الحاق اس ملک کے باشندوں کی مرضی کے مطابق ہونا چاہیے لیکن اپنے اس اصول اور ضابطے کے بالکل برعکس کشمیر پر اپنا تسلط اس بنیاد پر قائم کرے کہ اس کے مہاراجہ نے بھارت کے ساتھ الحاق کی درخواست دی ہے۔ دنیا میں آج اگر حق وانصاف کی فرمانروائی ہوتی تو پوری انسانیت مل کر اس ظلم کے خلاف جدوجہد کرتی لیکن بدقسمتی سے آج کی دنیا میں جبر و استبداد کی حکمرانی ہے اور قوموں کی باہمی آویزش نے انہیں اس حد تک مفاد پرست بنا دیا ہے کہ وہ کسی معاملے کو حق وانصاف کی بنیاد پر نہیں بلکہ مادی مفادات کے مطابق طے کرتی ہیں۔ بھارت چونکہ اس وقت پاکستان کے مقابلے میں بڑی طاقت ہے اس کے علاوہ پاکستان جس نظریاتی بنیاد پر معرض وجود میں آیا ہے اس سے مغربی دنیا کو خطرہ لاحق ہے اس لیے وہ بھارت کے ہر اس اقدام کی تائید و حمایت کرتی ہے جس سے پاکستان کا شیرازہ منتشر ہو۔ دنیا کی اخلاقی بے حسی کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ بھارت اقوام متحدہ کی قراردادوں اور کشمیر کے معاملے میں اپنے سارے مواعید کو یکسر نظر انداز کر کے اس مظلوم وادی پر پچھلے ستائیس سالوں سے قابض چلا آ رہا ہے اور کوئی اس سے باز پرس نہیں کرتا۔ اقوام متحدہ کی

کمزوریاں اور مجبوریاں اپنی جگہ سہی لیکن ہم یہ تسلیم کرنے سے قاصر ہیں کہ اگر مظلوم قوموں کو انصاف دلوانے والا یہ ادارہ نیک نیتی سے مسئلہ کشمیر کو حل کرنا چاہے تو حل نہ کرا سکے۔ بھارت میں ابھی اتنا دم خم پیدا نہیں ہوا کہ وہ بڑی طاقتوں کے مطالبہ کو مسترد کر دے لیکن افسوس کہ بڑی قومیں ہی اس ظلم میں بھارت کی پشت پناہ ہیں اور وہ ان کی تائید سے پاکستان کے ایک حصّہ پر بالکل ناجائز طور پر ربع صدی سے تسلط قائم کیے ہوئے ہے۔

وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے اندرا گاندھی گٹھ جوڑ کے اس نازک مرحلے پر ہڑتال کا اعلان کرکے ایک بار پھر انسانیت کے ضمیر کو جھنجوڑنے کی کوشش کی ہے اور اس منظم ہڑتال سے یہ مسئلہ از سرِ نو تازہ ہو گیا ہے۔ لیکن ہم اس سلسلے میں وزیر اعظم صاحب کی خدمت میں یہ گزارش کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ مسئلہ محض ہڑتالوں سے کبھی حل نہ ہو گا اس کے لیے بڑی احتیاط، دانشمندی اور ٹھوس اقدام کی ضرورت ہے۔ یہ بات ہمارے فہم سے بالاتر ہے کہ عین اس وقت جب بھارت کشمیر کو ہمیشہ کے لیے ہڑپ کرنے پر تُلا ہوا ہے ہماری حکومت اس ظالم ملک کے ساتھ تجارتی تعلقات بحال کرنے میں کیوں سرگرمی دکھا رہی ہے؟ بھارت اس وقت شدید نوعیت کے غذائی اور صنعتی بحران سے دوچار ہے اور ان پر آشوب حالات میں اس کے مربی اور محسن بھی اس کی اعانت اور دستگیری کے لیے آمادہ نہیں ہو رہے۔ وہ اسے اسلحہ دینے پر تو تیار نظر آتے ہیں مگر غلّہ اور خام مال دینے میں کافی لیت و لعل سے کام لے رہے ہیں۔ اُن کا خیال یہ ہے کہ چونکہ یہ بحران اب بھارتی معیشت کا مقدر بن چکے ہیں اس لیے ان دائروں میں اُن کی کوئی وقتی امداد اس کی معیشت میں کوئی استحکام پیدا نہیں کر سکتی۔ اُن کے نزدیک بھارت کو معاشی اعتبار سے اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ اُسے فوجی اعتبار سے اس قدر طاقتور بنا دیا جائے کہ وہ قوت کے زور سے غلے اور خام مال کی منڈیوں پر قبضہ کرے اور ان سے خود بھی فائدہ اٹھائے اور اپنے محسنوں کو بھی فائدہ اٹھانے کے بھرپور مواقع فراہم کرے۔ بنگلہ دیش کی معیشت بھارت کے ہاتھوں جس طرح تاراج ہو رہی ہے اس سے بھارت اور اس کے سرپرستوں کے عزائم کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو کی بصیرت اپنی جگہ مسلّم، اُن کی سیاسی سمجھ بوجھ بھی قابلِ ستائش لیکن یہ بات ہماری سمجھ سے باہر ہے کہ بھارت کو جس غذائی اور صنعتی بحران سے

نکالنے کے لیے اس کے جگری دوستوں تک نے اپنی معذوری ظاہر کر دی ہے اور اسے آس پاس کی کمزور قوموں کے قدرتی وسائل پر بالجبر قبضہ کرنے کی راہ دکھائی ہے ۔ اس میں ہم اس کی اعانت کے لیے کیوں اتنے فکرمند نظر آتے ہیں ۔ پچھلے دنوں بھارت اور ہمارے درمیان جو تجارتی معاہدہ ہوا ہے اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس نے سخت مجبوری کے عالم میں اور اپنے ہی خواہوں سے یکسر مایوس ہو کر محض اپنے غذائی اور صنعتی بحران پر قابو پانے کے لیے پاکستان کے ساتھ تجارتی تعلقات استوار کرنا گوارا کیا ہے ۔ ان تعلقات نے اس کی ذہنی کیفیت کس حد تک تبدیل کی ہے اس کا اندازہ اس زبردست احتجاج سے کیا جا سکتا ہے جو اس نے ہتھیاروں کے معاملے میں امریکہ کے موقف میں معمولی سی تبدیلی پر کیا ہے درآنحالیکہ اس کے اپنے ہاں ہتھیار تیار کرنے کی اکتیس فیکٹریاں دن رات کام کر رہی ہیں اور روس اسے مسلسل بے حد و حساب اسلحہ فراہم کر رہا ہے ۔

اسی سلسلے میں ہم وزیر اعظم کی خدمت میں یہ عرض کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ ان کے حاشیہ نشینوں نے سیاسی مخاصمت کی بنا پر میاں طفیل محمد صاحب ، امیر جماعت اسلامی کی جس معقول تجویز کا حلیہ بگاڑ کر اس کا استخفاف کیا ہے وہ مسئلہ کشمیر کے حل میں غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے ۔ کشمیر کا مسئلہ پوری قوم کا مسئلہ ہے اس لیے یہ بات اربابِ اختیار کو کسی طرح بھی زیب نہیں دیتی ہے کہ چونکہ یہ تجویز حزبِ اختلاف سے تعلق رکھنے والی کسی شخصیت نے پیش کی ہے اس لیے اسے لازمی طور پر مسترد ہی کرنا چاہیے ۔ اگر بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے اور بھارتی جارحیت کو سندِ جواز دینے کے لیے دنیائے اسلام کا جاہ و جلال جمع کیا جا سکتا تھا تو آخر کشمیری مسلمانوں کی مظلومیت کا مداوا کرنے کے لیے مسلم ممالک کے سربراہوں کی کانفرنس کیوں نہیں بلائی جا سکتی ۔ خدا کا شکر ہے کہ عالمِ اسلام میں بیداری پیدا ہو رہی ہے اور ان کے اندر اپنی قوت کا احساس بھی بڑی تیزی کے ساتھ اُبھر رہا ہے ۔ تیل پیدا کرنے والے مسلم ممالک نے پچھلے دنوں تیل کے ہتھیار کو جس ہنرمندی اور اعتماد کے ساتھ استعمال کیا ہے اس سے بڑی بڑی قومیں بوکھلا اٹھی ہیں ۔ ہمیں کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ اگر یہ سارے مسلم ممالک مل کر بھارت کو راہِ راست پر لانے کا ارادہ کر لیں تو انہیں کامیابی نصیب نہ ہو ۔